احرار اوران کی جولان گاہ

آغا شورش کاشمیریؒ

سیاست میں ہارنا رسوائی ہے، اور جیتنا فرماں روائی، احرار سیاسیات کے جس طوفان سے نکلے یا ان کی جدوجہد پر آخری زمانہ میں جو گزری وہ ایک تاریخی المیہ ہے۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ پنجاب میں برطانوی استعمار کے خلاف احرار سے بڑھ کر کسی مسلمان جماعت نے ذہنی آبیاری نہیں کی، تنہا احرار تھے جن سے یہاں کے مسلمانوں نے غیر ملکی غلامی کے خلاف جدوجہد کا ذوق حاصل کیا۔ پنجاب برطانوی سلطنت کے لیے ریڑھ کی ہڈی تھا۔ ہندوستان میں انگریزی حکومت کا انحصار زیادہ تر پنجاب کے سپاہی اور جاسوس پر رہا۔ سارے ہندوستان میں دو قومی مسئلہ تھا، یہاں تین قومی۔ ہندو، سکھ اور مسلمان۔ خود مسلمان کئی خانوں میں تقسیم تھے، اور ہر خانہ اپنی جگہ ایک دوسرے سے الجھا ہوا تھا۔ یہاں بڑے بڑے زمینداروں کو مسلمانوں میں طاقتور رسوخ حاصل تھا۔ اس کے علاوہ سرکاری اہلکاروں اور سب سے بڑھ کر اُن گدی نشینوں یعنی پیروں کا اثر تھا جن کا خانقاہی نظام ان کے ذہنوں پر عقیدۃً چھا چکا تھا۔ پنجاب کا خانقاہی نظام مسلمانوں کے ذہن میں اتنا رچ پچ گیا تھا کہ.....

مانندِ بتاں پجتے تھے کعبہ کے برہمن

پیر پرستی نے پنجابی مسلمانوں کی عقلوں کو اس طرح ماؤف کر دیا کہ وہ ایک عجیب الخلقت غلامی کا شکار ہو گئے۔ اسلام جہاں تھا رک گیا۔ یہاں کے مسلمان معاشی اعتبار سے اتنے پسماندہ نہیں تھے جتنا روحانی اعتبار سے درماندہ ہو گئے۔ پیروں نے ان کی عقلوں پر، زمینداروں نے ان کے جسموں پر اور افسروں نے ان کے رزق پر قبضہ کر لیا تھا۔ پنجاب صدیوں فاتحوں کی گزرگاہ رہا، کئی ماہتاب تھے جو اس کے افق پر چمکے۔ سکھوں نے اپنے زمانۂ حکومت میں مسلمانوں کی رہی سہی حمیت اور ٹوٹی پھوٹی ہمت بھی مجروح کر دی۔ ۱۸۵۷ء میں انگریزوں نے پنجاب کے گنے چنے خاندانوں سے اتنا فائدہ اٹھایا کہ پورا صوبہ حکومت کا بازوئے شمشیر زن ہو گیا۔ پنجاب کے وفاداروں نے سارے ہندوستان کی غلامی کو استحکام بخشا۔ حتیٰ کہ مسلمانوں کے اقتدار کی آخری شمع گل کرنے میں جن ''مشرف بہ اسلام'' خاندانوں نے حصہ لیا وہی خاندان مسلمانوں کی تقدیر کے مالک بن گئے۔ جس صوبے کے لوگوں نے سب سے پہلے اپنا ملک فتح کر کے دیا ہو پھر ہندوستان سے باہر جا کر انگریزی استعمار کی خدمت کی ہو، پہلی جنگ عظیم میں فرانس کے میدانوں میں برف کے ساتھ برف ہو گئے ہوں، خلافتِ

عثمانیہ کا اپنے ہاتھوں خاتمہ کیا ہو، حتیٰ کہ قسطنطنیہ کے میدانوں سے لے کر کعبہ کے صحن تک تاخت وتاراج کی ہو۔ پھر جن کے ڈھاتھوں نہ تو امام حسین رضی اللہ عنہ کا روضہ بچا ہو اور نہ شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ کا مزار۔ اور جو ملک میں رہے ہوں تو ملک کی ہر تحریک کو کچلا ہو جن کا دوسری جنگِ عظیم تک ایک ہی شعار رہا ہو کہ برطانوی حکومت ان کا ملجا وماویٰ ہے اور وفاداری بشرطِ استواری ان کا فرض ومنشا۔ اُن لوگوں میں آزادی کی خواہش پیدا کرنا پتھروں میں جونک لگانا تھا۔ وفاداری کی اس بہتات کے باوجود انگریزوں نے پنجاب کو مسلمانوں کی حد تک گدیوں ہی میں تقسیم نہیں کیا، بلکہ دین کے اعتبار سے بھی ساقط کر ڈالا۔ وہ خدا سے ہٹ کر پیمبر کے بندے اور پیمبر سے ٹوٹ کر پیروں کے غلام ہو گئے۔ اور پیر انگریزوں کے حلقہ بگوش۔ انھی پیروں نے (الا ماشاء اللہ) خلافتِ عثمانیہ کی تباہی کے بعد سر مائیکل ایڈوائر کو سپاسنامہ پیش کیا تھا کہ برطانیہ فضلِ خداوندی سے فاتح رہا اور خلافتِ عثمانیہ فساد فی الارض کے جرم میں پارہ پارہ ہو گئی اس سپاسنامہ کی مطبوعہ نقل راقم کے پاس بھی ہے۔

جہاد مسلمانوں کے لیے دورانِ خون تھا اور انگریز اس سے سخت پریشان تھے۔ پنجاب جیسے عسکری صوبہ میں جہاد کے تصور کا باقی رہنا انگریزوں کے لیے خطرہ کا موجب تھا۔ چنانچہ سیالکوٹ کچہری کے ایک عرائض نویس میرزا غلام احمد کی آبیاری کی گئی وہ پہلے مناظرِ اسلام کی حیثیت سے سامنے آیا اور فساد کا بیج بوتا رہا۔ پھر مجدد بنا، آخر میں نبی بن بیٹھا۔ اس کے چالاک وعیار فرزند میرزا بشیر الدین محمود احمد نے خلافت کی آڑ میں باپ کی نبوت، انگریزوں کی وفاداری اور جہاد کی تنسیخ کو اور بھی پختہ کیا۔ بلکہ دنیائے اسلام سے دین کا تعلق ختم کرنے کے لیے اپنے سے باہر تمام مسلمانوں کو کافر قرار دیا۔ یہاں تک کہ انھیں ذریۃ البغایا (فاحشہ عورتوں کی اولاد) کہا۔ پہلی جنگِ عظیم میں بغداد وسمرنا کے سقوط پر چراغاں کیا۔ القصہ میرزا مشیر الدین محمود نے مسلمانوں کی مذہبی زندگی میں وہی کردار ادا کیا جو لارڈ لارنس نے عربوں کی سیاسی زندگی کو تہس نہس کرنے میں سرانجام دیا تھا۔

پنجاب میں سیاسی زندگی کی تاریخ بڑی پیچیدہ ہے۔ ایک ہشت پہلو تاریخ کے حقیقی صفحات ابھی تک صیغۂ راز میں ہیں۔ اور اس کی وجہ بڑی حد تک یہی ہے کہ وہی لوگ اقتدار میں ہیں جن کا ماضی شرمندہ ہے اور جو برطانوی حکومت کے لیے پیدا ہوئے یا جنھیں برطانوی حکومت نے پیدا کیا تھا۔ سندھ اسلام کی ابتدائی گزرگاہ تھا لیکن اسلام یہاں بھی کوئی طاقت نہ بن سکا، پہلے بھی عاجز تھا آج بھی عاجز ہے۔ سیاسی زندگی آج تک ابتر چلی آرہی ہے۔ بلوچستان ہمیشہ کی طرح قرونِ مظلمہ میں زندگی بسر کر رہا ہے۔ اس نے قبائلی عصبیتوں کے آنگن میں انگڑائی لی ہے۔ سرحد کو سرخپوشوں نے طویل جدوجہد کے بعد سرزمینِ بے آئین سے با آئین بنایا۔ لیکن اس کی عوامی روح سیاسی شعور کی تب وتاب کے باوجود کچلی جا چکی ہے۔ انگریزوں کے عہد میں سرحد کا وجود پہلا مدافعتی پڑاؤ تھا یا پھر قبائلی علاقے کو انگریزوں نے اپنی جنگی مشقوں کے لیے چن رکھا

تھا۔یہیں سے برطانوی ہندوستان کی حفاظت کی جاتی۔ پھر متصل صوبوں میں زبان ومزاج کے اختلاف تھے۔مسلمان سب تھے لیکن اسلام شاذ ہی تھا۔اس گرد ونواح اور مزاج وسیرت کے پنجاب میں کسی استعمار دشمن تنظیم، تحریک اور افراد کا پیدا ہونا بلاشبہ ایک معجزہ تھا۔اس فضا میں احرار قدرت کا عطیہ تھے،لیکن ان کو زندگی بھر کی جدوجہد کے بعد جو کچھ ملا اور وہ جس طرح سیاسیات کے میدان میں شکست کھا گئے، ایک المیہ ہے۔اس المیہ کا جائزہ لینا اور تجزیہ کرنا آسان بھی ہے اور مشکل بھی۔ آسان اس لیے کہ عصری حالات زخمی ہونے کے باوجود محفوظ ہیں اور مشکل اس لیے کہ فضا ناسازگار ہے اور تاریخ ان لوگوں کے تصرف میں ہے جن کا اپنا وجود الف لیلیٰ کی ایک کہانی ہے۔

یہ صحیح ہے کہ مسلمانوں کی آزادی کا علم لیگ کے ہاتھ میں آ گیا اور وہ ایک آزاد مملکت دلوانے میں کامیاب ہوگئی۔ لیکن آزادی قمار خانہ کا روایتی داؤں نہیں، جمخانہ کا جام نہیں، ترپ کی بازی نہیں، گھڑ دوڑ کی شرط نہیں، شطرنج کا مہرہ نہیں۔ آزادی کا حصول کسی تحریک کا تسلسل ہے۔اور یہ تسلسل ایک طویل تگ ودو سے قائم ہوتا ہے تب آزادی ہاتھ آتی ہے۔آزادی پہلے ذہنی انقلاب چاہتی، پھر جسمانی انقلاب کا راستہ کھلتا اور لوگ منزل تک پہنچتے ہیں۔ انگریزوں نے جس بری طرح ہندوستان کو جکڑا اور جس خون خرابے کے بعد یہاں قبضہ کیا، وہ شکنجہ کوئی اس طرح ڈھیلا نہیں ہوا کہ یکا یک ایک آواز اٹھی اور انگریزوں نے بندھن توڑ دیے۔آزادی کی لہر نوے برس تک پرورش پاتی رہی۔ ۱۸۵۷ء میں ایک زمین بنجر ہوگئی تھی علمائے حق نے اپنے لہو سے اس کو سیراب کیا۔تحریکِ لاتعاون کی ۱۹۲۱ء میں بیجائی کی گئی۔۱۹۳۱ء میں اس کھیت نے سرسبز ہونا شروع کیا۔ ۱۹۳۷ء میں اس کی ایک فصل کاٹی گئی۔ ۱۹۳۹ء میں چھاجوں مینہ برسا۔۱۹۴۰ء میں پاکستان کا تصور کھلا۔۱۹۴۲ء میں ''ہندوستان چھوڑ دو'' کی تحریک اٹھی جس نے برعظیم کو ہلا ڈالا۔۱۹۴۵ء میں فصل پک کر تیار ہوگئی۔کسان سے لے کر مہاجن تک سب جمع ہوگئے۔آخر اگست ۱۹۴۷ء میں کھیت تقسیم ہوگیا۔فصل بونا، فصل اٹھانا، فصل کاٹنا، فصل بیچنا اور فصل کھانا ہمیشہ ہی مختلف ہاتھوں میں رہا ہے۔ ہر موڑ ایک نئی منزل پر ختم ہوتا اور ہر مرحلہ ایک نئی ملکیت کو جنم دیتا ہے۔جن لوگوں نے آزادی کو پسینہ اور لہو دیا تھا وہ صبح طلوع ہوتے ہی ستاروں کے ساتھ ڈوب گئے۔اور جن کا پشتینی شعار اندھیروں کی نگہداشت رہا، وہ صبح کے وارث ہوگئے گویا یہ سب کچھ انھی کا تھا۔ پاکستان میں یہ کہنا مشکل ہوگیا ہے کہ مسلمانوں کی آزادی میں مسلم لیگ کے علاوہ کسی اور کا بھی حصہ ہے اور اس کو تاریخی حقائق سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔تاہم حقیقت یہی ہے کہ اس برعظیم کو جو آزادی ملی، ہندوستان آزاد ہوا یا پاکستان بنا، اس میں اوّلاً ہندوستان کی تمام قوموں کی اجتماعی جدوجہد شامل ہے۔ثانیاً ان جانبازوں کی شجاعت اور قربانی کو دخل ہے جنھوں نے جان ہتھیلی پر رکھ کر اس معرکہ کو سر کیا اور خود فنا ہوگئے۔ ثالثاً ۱۸۵۷ء سے ۱۹۴۷ء تک کے اسلامی ہندوستان کی وہ تحریکیں ہیں جو مختلف عنوانوں سے سرفروشی کا سفر طے کرتی رہی ہیں، جن میں ابتداءً علمائے حق کا

ولولۂ جہاد تھا، تحریکِ خلافت کے مجاہدانہ نظائر تھے، جمعیۃ العلماء ہند کے اکابر کا ایثار تھا، احرار کی بے جگری تھی، خاکساروں کا معرکۂ رستا خیز تھا، سرخپوشوں کا خونِ گرم تھا اور حروں کے خون کی ارزانی تھی..... لیکن اس سے یہ بات کم نہیں ہوتی کہ پاکستان مسلم لیگ کی سیادت کے سانچے میں ڈھلا اور بنا ہے۔

احرار بلاشبہ علماء کے ذہن، خلافت کی تحریک، الہلال کی فکر اور زمیندار کے قلم کی پیداوار تھے لیکن ان کا انفرادی اور اجتماعی وجود پنجاب کے سیاسی گورستان میں صور اسرافیل تھا۔ ان کی خطابت کا سحر ایک نیا پنجاب پیدا کر رہا تھا۔ یہ پنجاب پیدا ہوا لیکن اس پنجاب ہی نے احرار کو پسپا کر دیا اور یہ کہنا صحیح ہوگا کہ اس پسپائی و رسوائی میں احرار کی اپنی سیاسی غلطیوں کا ہاتھ بھی شریک تھا۔

احرار تحریکِ خلافت (۱۹۲۱ء) میں اٹھے اور ۱۹۳۰ء تک کانگرس کے ساتھ رہے، مسلمانوں کے ادنیٰ متوسط طبقے کا ایک گروہ تھا جس کا ذہن سیاسی و اسلامی ملغوبہ تھا۔ جس میں انگریز دشمنی، اسلام دوستی، حب الوطنی، سرمایہ سے بیزاری، رجعت سے عناد، ایثار سے محبت، ظلم پر احتجاج، انقلاب کی خواہش اور جہاد کا ولولہ جمع ہو گئے تھے۔ کانگرس کا بورژوائی ذہن، ہندو معاشرے کی عصبیتیں، تلخ سیاسی تجربے، اپنی انفرادیت کا احساس اور مسلمانوں کی علیحدہ تنظیم کا تصور احرار کی تشکیل کا باعث بنا۔ لیکن کانگرس سے قطع تعلق کے باوجود آخر تک قطع ذہن نہ ہو سکا۔ ذہن ان کا وہی تھا جو کانگرس کا تھا، یعنی غیر ملکی استبداد کا خاتمہ۔ زبان ان کی اسلامی تھی اور وہ محض وطنیت یا محض قومیت کی بنیاد پر ہندوستان سے انگریزی حکومت کا خاتمہ نہیں چاہتے تھے۔ بلکہ ان کے نزدیک انگریزی حکومت کو تہس نہس کر دینا اس لیے بھی ضروری تھا کہ وہ نصاریٰ کی حکومت تھی اور نصاریٰ قرآن کی رو سے معتوب تھے۔ ان سے اسلام کو لگاتار نقصان پہنچ رہا تھا، تمام دنیائے اسلام پر ان کی گرفت تھی، قرآن وسنت کی تعلیمات کو ان سے صدمات پہنچ چکے اور پہنچ رہے تھے۔ ظاہر ہے کہ ہندوستان سے برطانوی حکومت کے محو ہو جانے پر افریشیائی ملکوں کی آزادی کا انحصار تھا۔

شاہ جی کی روایت یہ تھی کہ ۱۹۲۹ء میں مولانا ابوالکلام آزاد نے انھیں مجلسِ احرار قائم کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ احرار ہر حالت میں جمعیۃ العلماء کے اکابر مولانا حسین احمد مدنی، مفتی کفایت اللہ، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی اور مولانا احمد سعید دہلوی کا احترام کرتے، انھیں مولانا ابوالکلام آزاد سے بھی بے پناہ عقیدت تھی، اور گاندھی و نہرو کا نام بھی عزت سے لیتے تھے۔ ان کا ہدف عموماً دو طرح کے لوگ تھے۔ اوّلاً: انگریز اور ان کے کاسہ لیس، ثانیاً اسلام میں عمرو عیّار قسم کے لوگ۔

تجزیۃً یہ بات ڈھکی چھپی نہیں رہی کہ:

(۱) احرار جان گنتھر کے الفاظ میں ایشیا کی پہلی مسلمان سوشلسٹ تحریک تھے..... ممکن ہے بعض طبقوں کو اس اصطلاح

پر اعتراض ہوا اور اب تو یہ اصطلاح تجزیۂ خطرناک ثابت ہو چکی ہے.....لیکن احرار واقعی ایک ایسی تحریک تھے جو عقیدہ و رسالت پر اعتقاد کے ساتھ معاشی انصاف کو عینِ اسلام سمجھتے اور جن کا عقیدہ تھا کہ اسلام کی مظلومیت تب سے شروع ہوئی ہے جب سے خلافتِ راشدہ کا نظام درہم برہم کر کے جانشینی کا نظام پیدا کیا گیا جس نے عصری ملوکیت کو جنم دیا۔ نیز جب تک سرمایہ داری نظام زندہ ہے تب تک اسلام کی نشأۃ ثانیہ ناممکن ہے۔

(۲) مسلمانوں کا طبقۂ امراء، اپنی افتادِ طبیعت کے باعث فقراء کے اس گروہ سے خائف تھا۔ اس کا کام ان کی غریبی کا مذاق اڑانا، ان پر الزام لگانا، اور ان کے خلاف بہتان تراشنا تھا۔ احرار کا کام اس طبقۂ ضالّہ کے خلاف مسلمانوں میں نفرت پیدا کرنا، ان پر پھبتیاں کسنا اور ان کی بنیادیں ہلانا تھا۔ چونکہ امراء خود غیر ملکی استبداد کے حاشیہ بردار تھے لہٰذا ان کے نزدیک استعمار دشمنی کا مطلب تھا ہندو دوستی۔ اور وہ احرار کے خلاف ہندو ایجنٹ ہونے کا طعن دھرنے میں کوئی خوف محسوس نہ کرتے تھے۔

(۳) کانگرس کے رہنماؤں سے احرار کا میل جول تھا لیکن وہ انھیں پسند نہیں کرتے تھے، ہائی کمانڈ ان سے طبیعۃً ناخوش تھا، اس کا خیال تھا کہ احرار نے ۱۹۳۱ء میں کانگرس سے علیحدہ ہو کر کانگرس کو مسلمانوں میں کمزور کیا، مذہبی ذہن کی آبیاری کی، اس آبیاری ہی سے پاکستان کا پودا پھوٹا۔ ۱۹۴۷ء میں کانگریس کے جنرل سیکرٹری اچاریہ کرپلانی نے مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی اور شیخ حسام الدین سے عندالملاقات کہا کہ لیگ سے ہماری لڑائی محض سیاسی حقوق اور ان کے تعین و تقسیم کی لڑائی ہے جس کا بہرحال کوئی نہ کوئی حل نکل آئے گا لیکن جمعیت العلماء اور مجلس احرار کی ہمنوائی ہمارے لیے سخت خطرناک ہوگی۔ وہ لوگ زندگی کے ہر پہلو میں ہم سے مختلف ہیں ان کے لباس، ان کے عمل، ان کی زبان، ان کی نظر، غرض ہر چیز میں پاکستان موجود ہے۔ ان سے مصالحت کرنے کی بجائے مسلم لیگ سے مفاہمت کر لیں تو کہیں بہتر ہوگا۔

ان احوال و آثار کے باوجود احرار نے اعمال و افکار کی ایک ایسی ترنگ اور اُمنگ پیدا کی جس نے پنجاب کی شہری زندگی کو ایک نیا ذوق عطا کیا۔ اور وہ صوبہ جو محض انگریزوں کا خوشہ چین ہو کر رہ گیا تھا ان کے استعمار کا نکتہ چین ہو گیا۔ تاریخ احرار کے شریفانہ تذکرہ سے خالی ہے لیکن زیادہ دیر خالی نہیں رہ سکتی۔ کہ

(۱) احرار نے پنجاب کی استعماری روایت کے برعکس ایک ایسی روایت پیدا کی جس کا مقصد غیر ملکی غلامی کے خلاف جدوجہد کی روح پیدا کرنا تھا۔ اور وہ روح ایک محدود جماعت ہی میں سہی لیکن پیدا ہو گئی۔

(۲) احرار نے مسلمانوں میں آزادی کی لگن عام کی جس سے مسلمان نوجوانوں میں ایک فعّال عنصر پیدا ہو گیا جس نے خطابت و سیاست کے میدانوں میں نام پیدا کیا اور تحریکِ آزادی میں اپنا فرض ادا کیا۔

(۳) ہندوستان کی تمام قوموں میں احرار کے آتش بجانوں اور شعلہ بیانوں نے ایک نئی روح پھونکی۔ حقیقت یہ ہے کہ

اردو زبان نے احرار سے بڑے خطیب پیدا نہیں کیے۔ اردو شاعری میں جو مقام علاّمہ اقبال کو حاصل ہے اردو خطابت میں وہی مقام سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری کو حاصل رہا۔ مولانا حبیب الرحمٰن خطابت کے میر درد تھے، مظہر علی میر انیس، شیخ حُسام الدین امام بخش ناسخ، قاضی احسان احمد اکبر الٰہ آبادی، مولانا غوث پشتو میں نظیر اکبر آبادی اور مولانا محمد علی پنجابی زبان میں غالبِ آشفتہ سر۔

(۴) استعمار سے عناد کے علاوہ احرار نے جو سب سے بڑے کام کیا، یہ تھا کہ پنجاب میں علماء کا وقار گرتی ہوئی دیوار تھا اور بڑے بڑے زمیندار اپنے ہاں کے مولویوں کو کمّیوں میں جگہ دیتے تھے۔ احرار نے ان کی عزت کا تحفظ و تعیّن کیا۔ اس صورتِ حال کا اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جنھیں آج سے چالیس پچاس برس پہلے کے حالات کا علم اور اندازہ ہے۔

(۵) جس باب میں تاریخِ اسلام ان کی شکر گزار ہوگی وہ قادیانیت کا تعاقب اور اس کی سرکوبی ہے۔ احرار نے اس جماعتِ غدار کا جس بے جگری سے پیچھا کیا اس کے نتائج اسلام اور مسلمان دونوں کے لیے مفید ثابت ہوئے ہیں۔ مثلاً:

(ا) قادیانیت لفظاً و معناً بے نقاب ہوگئی۔ مسلمانوں نے محسوس کیا کہ اس کا وجود ان کی وحدت اور اسلام کی مرکزیت کے لیے مہلک و مضر ہے۔

(ب) قادیانیت کا تبلیغی دروازہ ہمیشہ کے لیے بند ہوگیا۔ عامّۃ المسلمین اس کا شکار ہونے سے بچ گئے۔

(ج) قادیانیت کا مذہبی وجود اپنے سیاسی خدوخال سمیت آشکار ہوگیا جس سے اسلام مصئون اور مسلمان محفوظ ہوگئے۔

یہ کہنا مشکل ہے کہ برِّ عظیم کے مسلمانوں کی صحیح تاریخ کب لکھی جائے گی۔ کئی باب اوجھل ہو چکے اور کئی باب ادھورے پڑے ہیں۔ تاریخ میں یہی ہوتا رہا ہے کہ بیشتر صداقتیں یونہی دفنا دی جاتی ہیں اور اکثر جھوٹ ملمّع سازوں کی بدولت سونا ہو کر چمک اٹھتے ہیں۔ جس زمانہ سے ہم گزر رہے ہیں پراپیگنڈا کا دور ہے۔ اور پراپیگنڈا ایک ایسا لفظ ہے کہ دوسری تمام زبانیں اس وسیع المعنی لفظ کا مترادف پیدا نہیں کر سکی ہیں۔